نمازوں کے حقوق و حفاظت اور سربراہ خانہ و عہدے داروں کا فرض

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹ نومبر ۱۹۸۲ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۂ مریم کی مندرجہ ذیل آیات پڑھیں:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ﴿۵۵﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۶﴾ (مریم: ۵۵-۵۶)

اور پھر فرمایا: عبادت وہ مقصد ہے جس کے لئے، قرآن کریم کے بیان کے مطابق، سب جنّ و انس کو پیدا کیا گیا۔

عبادت کے متعلق عموماً یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اس کا تعلق محض حقوق اللہ سے ہے اور بعض کھوکھلی اور سطحی سوچ رکھنے والوں نے یہ اعتراض بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف اپنی خاطر اپنے سامنے جھکانے کے لئے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس سے ہمیں کیا فائدہ؟ یہ گویا ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی خودغرضی ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اگر عبادت کے مفہوم کو حقوق اللہ کے طور پر بھی دیکھا جائے تب بھی تمام تر فائدہ ان بندوں کا ہے جو عبادت کرتے ہیں۔ لیکن دراصل عبادت محض حقوق اللہ کا نام نہیں ہے۔ عبادت میں حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ چنانچہ وہ نماز جو ہمیں عبادت کے طور پر

سکھائی گئی وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ایک سنگم ہے۔ اس میں اللہ کے حقوق بھی سکھائے گئے ہیں اور بندے کے حقوق بھی بتائے گئے ہیں۔ فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ (العنکبوت:۴۶)

نماز کا یہ پہلو کہ یہ فحشا اور منکر سے بچاتی ہے، یہ خالصتاً بندوں ہی کے حقوق ہیں، جو نماز سکھاتی ہے۔

جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی پیروی کرے۔ عبد اس غلام کو کہتے ہیں جو آقا کے تابع ہو جائے۔ اس کا اپنا کچھ نہ رہے۔ سب کچھ اسکے مالک کا ہو اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ اور یہ جو مضمون ہمیں سکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرو اور اس کی صفات اختیار کرو، یہی دراصل عبادت کا مفہوم ہے۔ کلیتہً اپنے رب کے پیچھے چلنا اور ایک اعلیٰ ذات کی نقل کرنا ان معنوں میں کہ اس کی صفات کا رنگ آہستہ آہستہ اس کے وجود پر چڑھنے لگے، یہ ہے عبادت کا مفہوم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک اعلیٰ نمونے کے پیچھے چلا جائے تو اس نمونے پر چلنے والے ہی کا فائدہ ہوتا ہے، نہ کہ اس نمونے کا جس کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ دنیا کے سامنے ماڈل پیش کئے جاتے ہیں تا کہ لوگ اس ماڈل کے مطابق ڈھلنے کی کوشش کریں۔ لیکن اس سے اُس ماڈل کو کیا فائدہ؟ فائدہ تو اس کو ہوتا ہے جو اس ماڈل کے پیچھے چل کر اپنی تزئین کرتا ہے، اپنی بدیاں دور کرتا ہے اور اپنے اندر نیا حُسن پیدا کرتا ہے۔

پس عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اس ذکر کو اپنے اعمال میں ڈھالنے کی کوشش کرو۔ جب اس کو رحمٰن کہو تو خود رحمانیت کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرو۔ جب اس کو رحیم کہو تو خود رحیم کا مظہر بننے کی کوشش کرو۔ جب اس کو قادر کہو تو اپنی قدرتیں بڑھانے کی طرف توجہ دو اور وہ صلاحیتیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہیں ان کو اور چمکاؤ۔ غرضیکہ صفات باری تعالیٰ کا مضمون جتنا زیادہ انسان پر روشن ہوتا چلا جائے اتنا ہی زیادہ عبادت کا اہل بنتا چلا جاتا ہے اور عبادت کے مقصد کو حاصل کرنے والا بنتا ہے۔ پس یہ تصور کہ خدا نے اپنی خاطر بنی نوع انسان کو پیدا کر کے ان کے بڑوں اور چھوٹوں کو اپنے سامنے جھکا دیا، محض ایک لغو تصور ہے۔ کیونکہ اس میں خدا کا کوئی فائدہ تجویز نہیں کیا جا سکتا۔

ہاں عبادت ایک دائمی ترقی کا پیغام ہے ایک ایسی ترقی جس کا کوئی منتہا نہیں۔ کیونکہ عبادت میں جس ذات کو پیشِ نظر رکھ کر اُس کی تعلیم دی گئی اس ذات کی کوئی حد نہیں۔ نہ کمیت میں اسکی حد بندی کی جاسکتی ہے، نہ کیفیت میں، نہ وقت میں اور نہ ہی شش جہات کے لحاظ سے۔ تو ایک ایسی ذات جسکی کوئی حد نہ ہو، اس کی پیروی کی تعلیم دینا، لامتناہی ترقیات کی طرف دعوت دینا ہے۔ اور اس پہلو سے بھی عبادت بندے ہی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ پھر ایک اور پہلو سے بھی عبادت بندوں ہی کے فائدہ کے لئے ہے کہ جب انسان اپنے رب کا رنگ اختیار کرتا ہے تو نتیجۃً اس کے بندوں پر زیادہ مہربان ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور ان کے حقوق پہلے سے بھی زیادہ بڑھ کر ادا کرنے لگتا ہے۔

آنحضرت ﷺ جو کامل اسوہ بنائے گئے وہ اسی طریق پر کامل اُسوہ ٹھہرے کہ اپنے رب کی تمام صفات کو اپنی ذات کے ہر پہلو میں اس طرح جذب کر لیا کہ گویا آپ خدا نما وجود بن گئے۔ ایک ایسا خدا نما وجود جس کا تصور بھی پہلے انسان کیلئے ممکن نہیں تھا۔ تب وہ بندوں پر مہربان ہوئے جیسا کہ فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبہ:۱۲۸)

اور سارے عالمین کے لئے رحمت بن گئے جیسے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ (الانبیاء:۱۰۸)

چنانچہ جب بندے کو خدا کی صفات عطا ہو جائیں تو پھر خدا تعالیٰ اس کے ہاتھ میں بندوں کی تقدیر دے دیا کرتا ہے۔ اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ کوئی نبی خدا کی صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا اس طرح مظہر نہیں بنا ان معنوں میں کہ خدا نے اس کو مالکیت عطا فرمائی ہو، جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ کیونکہ آپؐ کامل طور پر اسی طرح خدا کے ہو گئے کہ خدا کی مخلوق پھر کامل طور پر آپؐ کے سپرد کر دی گئی۔ اور ان معنوں میں آپؐ مالک یوم الدین بنائے گئے۔ (الحکم 10 اگست 1903 ص 20)

پھر اسی مضمون کو جب آگے چلا کر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن شفاعت کرنے والا وجود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے اور اس لیے آپؐ کو شفاعت کے لائق ٹھہرایا گیا کہ اس دنیا میں آپؐ مالک بننے کے اہل قرار دیئے گئے تب اس دنیا میں بھی آپؐ کو شفاعت کا حق دیا

گیا۔ کیونکہ بغیر کسی استحقاق کے بخشش کا تصور مالکیت کے سوا ممکن نہیں۔ اور وہ وجود، جو اپنے رب اپنے مالک کے سب سے زیادہ قریب تھا وہ حضور اکرم ﷺ ہی تھے۔

پس جتنا زیادہ کوئی عبادت کرتا چلا جائے، اگر وہ صحیح معنوں میں اور حقیقت میں عبادت کرتا ہے تو اتنا ہی زیادہ وہ بندوں کے حقوق ادا کرنیوالا بن جاتا ہے اور جتنا زیادہ عبادت سے غافل ہو اتنا ہی غاصب ہوتا چلا جاتا ہے اور اتنا ہی زیادہ وہ سوسائٹی کیلئے دُکھ کا موجب بنتا چلا جاتا ہے۔ یہ ہے عبادت کا حقیقی مفہوم جو قرآن کریم پیش کرتا ہے۔ اس پہلو سے اگر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ عبادت تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے خواہ وہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتی ہوں یا حقوق العباد سے تعلق رکھتی ہوں۔ اور تمام بدیاں اس سرچشمے سے بے تعلقی کا نام ہے۔ جتنا اس سرچشمے سے منہ موڑو گے اور علیحدگی اختیار کرو گے اتنی ہی بدیاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔ یہ نتیجہ انسانی زندگی کا خلاصہ ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے عبادت کرنے والے بھی بدیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ بہت سے عبادت کرنے والے بھی ایسے دکھائی دیتے ہیں جو بندوں کے حق چھینتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں اور ان سے رحم اور شفقت کا سلوک کرنے کی بجائے ان سے ظلم اور تعدی کا سلوک کرتے ہیں۔ تو یہ کیسی عبادت ہے جس نے ان کو وہ صفات عطا نہیں کیں جو قرآن کریم دعویٰ کرتا ہے کہ عبادت کرنے والے بندوں میں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ اس مضمون کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ایسے لوگوں کے متعلق فرماتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون: ۷-۵)

کیسی عجیب بات ہے کہ سارے قرآن میں نماز اور نمازی کی تعریف ملتی ہے لیکن یہاں پہنچ کر قرآن کریم کے بیان میں اس تعریف سے ایک عجیب انحراف ملتا ہے۔ یعنی یہ کہنے کی بجائے کہ ان پر خدا تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتیاں ہوں، قرآن کریم فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ نماز پڑھنے والوں کے لیے ہلاکت ہو۔ اور وہ کون سے نماز پڑھنے والے ہیں؟ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ فرمایا جو نماز کے مفہوم سے غافل ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور نماز کے حقوق ادا کرنے کی بجائے نماز کو دکھاوے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وہ بے شک نمازیں پڑھتے

ہیں۔ مسجدیں بھی آباد ہوتی ہیں، وہاں نماز پڑھتے ان کی تصویریں بھی کھینچی جاتی ہیں۔ وہاں بڑے بڑے جبہ پوش بھی پہنچتے ہیں جو اس طرح تکبّر سے سوسائٹی میں پھرتے ہیں کہ گویا اب صرف وہی خدا کے ولی اور اس کے فضلوں کے وارث بن چکے ہیں اور انکے سوا کوئی اور عزت کے لائق ہی نہیں رہا۔ ایسے لوگوں کا مقصد محض نمائش، محض دکھاوا اور محض اپنے نفس کی بڑائی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسے نمازیوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا بلکہ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ ان کے لیے ہلاکت ہے اور اس کے سوا ان کے لیے اور کچھ نہیں۔ اور ساتھ ہی ان کی ریا کاری کا ثبوت یہ پیش فرماتا ہے اور ان کی نماز کے بے حقیقت ہونے کی دلیل یہ دیتا ہے وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کہ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو بنی نوع انسان کا حق ادا نہیں کرتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی خساست کا نمونہ دکھاتے ہیں۔ غریب ان کے سامنے اگر بھوکے مر رہے ہوں تو ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ہمسایہ کوئی چھوٹی سی چیز بھی مانگنے کے لیے آجائے تو اس کو رڈ کر دیتے ہیں۔ ہمسائیگی کے ادنیٰ حقوق بھی ادا نہیں کر سکتے۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے اس نماز کا نقشہ کھینچا ہے جو دونوں جہات سے عاری ہے۔ نہ حقوق اللہ کو ادا کر رہی ہے اور نہ ہی حقوق العباد کو۔ اور درحقیقت یہ ایک ہی چیز کے دو نام بن جاتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر نماز مجمع البحرین ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک پہلو سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقوق اللہ ہے اور دوسرے پہلو سے یہ حقوق العباد نظر آتی ہے۔ تو فرمایا کہ یہ لوگ خدا کی یاد سے غافل ہو کر دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں۔ اور جو خالق کی یاد سے غافل ہو کر نماز پڑھے وہ مخلوق کی ضروریات سے بھی غافل ہو جایا کرتا ہے۔ وہ مخلوق کے حقوق بھی ادا کرنے کا اہل نہیں رہتا۔ ایسی نماز تو بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے جو برکتوں اور ثواب کی بجائے لعنتوں کا موجب بن جائے۔

پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنی چاہئے اور یہ حفاظت دو طرح سے کرنی ہوگی۔ ایک اس کے ظاہر کی حفاظت کرنی پڑے گی۔ اور دوسرے اس روح کی حفاظت کرنی پڑے گی جس کے بغیر نماز باطل ہو جایا کرتی ہے۔ ان دونوں پہلوؤں سے، میں سمجھتا ہوں، توجہ دلانے کی بہت گنجائش موجود ہے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ ربوہ میں نماز کا وہ معیار نہیں رہا جو قادیان میں ہوا کرتا تھا اور گھروں میں وہ تلقین نہیں رہی جس کے نتیجے میں کثرت کے ساتھ نمازی پیدا ہوتے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم کی وہ آیات جو میں نے شروع میں تلاوت کی تھیں ان میں نماز کو قائم کرنے کا گُر بتاتے ہوئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مثال پیش کی گئی ہے۔ فرماتا ہے:

كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ (مریم: ۵۵-۵۶)

کہ اسمٰعیلؑ کی ایک بہت پیاری عادت یہ تھی کہ وہ اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ اور خدا کو بہت پیارا لگتا تھا كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا اسکی یہ ادائیں اللہ کو بہت پسند تھیں کہ وہ ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیتا تھا۔

اس میں یہ نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نمازوں کا قیام اور ان کا استحکام گھروں سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ: ۱۳۳)

کہ اے محمد ﷺ! تو بھی اپنے اہل کو نماز کا حکم دیا کر۔ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لیکن یہ ایسی بات نہیں ہے کہ ایک دو دفعہ کہنے سے اس پر پوری طرح عمل شروع ہو جائے۔ گھروں میں اگلی نسلوں کو نماز کی عادت ڈالنی ہو تو مستقل مزاجی کے ساتھ تلقین کی عادت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ایک دو دفعہ یا ایک دو دن یا ایک دو ماہ یا چند سالوں کا کام نہیں وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تو زندہ رہے، جب تک تجھ میں طاقت ہے اس عادت پر صبر سے استقامت اختیار کر لے۔ اس عادت کو کبھی چھوڑنا نہیں۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب میں ہم نے یہ چیز دیکھی کہ وہ اپنے اہل وعیال کو نمازوں کے متعلق تلقین کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کسی حالت میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے نماز کی تلقین کرنی چھوڑ دی ہو۔ میرے سامنے بہت سی مثالیں ہیں کہ جو اپنے بچوں کو نماز کے لیے اپنے ساتھ لے جاتے تھے وہ باقاعدگی کے ساتھ ایسا کرتے اور کبھی بھی اس طرف سے غافل نہیں ہوئے۔ نماز پڑھنے والوں کے بھی اور نماز پڑھانے والوں کے بھی بڑے بڑے پیارے نظارے نظر آیا کرتے تھے۔ چنانچہ جن ماں باپ نے اس نصیحت پر عمل کیا اور اپنے گھروں میں نمازوں کی تلقین کو دوام کے ساتھ اختیار کیا، یوں لگتا تھا کہ وہ گھر نمازیوں کی فیکٹریاں بن گئے ہیں اور ان کی نسلوں میں

آج بھی بکثرت نمازی نظر آتے ہیں جو دوسرے خاندانوں کی نسبت زیادہ نماز پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ وہ اصحاب جنہوں نے اس عادت میں نمایاں امتیاز حاصل کیا ان کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ نمازی بنتی چلی گئی۔

لیکن بعض دفعہ ایسا ہوا کہ اصحاب کے اندر تو خدا تعالیٰ نے نماز کی حفاظت کا جذبہ پیدا کیا تھا مگر بیویاں عمل کے لحاظ سے کمزور تھیں۔ یا جس جگہ بچوں کی شادیاں ہوئیں وہاں کے بے نمازیوں کے خون ان سے مل گئے اور وہ پانی گدلا ہو گیا۔ تو ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ باقاعدگی سے نماز پڑھنے والے خاندانوں میں بے نماز شامل ہو گئے اور انہوں نے رفتہ رفتہ اس سارے پانی کو گدلا کرنا شروع کر دیا۔ لیکن جہاں ان کی شادیاں نمازیوں میں ہوئیں وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک ایسی نسل ملی ہے جو نماز پر ہمیشہ قائم رہتی ہے اور مداومت میں قرآنی الفاظ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۴﴾ (المعارج: ۲۴) کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ اسی طرح بعض گھروں میں بے نمازوں کی فیکٹریاں ملتی ہیں۔ یعنی جو بھی وہاں پیدا ہوتا ہے، بے نمازی ثابت ہوتا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ خدام الاحمدیہ یا انصار اللہ یا دیگر تنظیمیں ان لوگوں کو کس طرح سنبھالیں؟ جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم پہلی ذمہ داری بیرونی تنظیموں پر نہیں ڈالتا۔ بلکہ پہلی ذمہ داری گھروں پر ڈالتا ہے اور یہ ایک بڑا ہی گہرا اور پُر حکمت نکتہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر گھر اپنے بچوں کی نماز کی حفاظت نہیں کریں گے تو بیرونی دنیا لاکھ کوشش کر لے وہ اس قسم کے نمازی پیدا نہیں کر سکتی جو گھر کی تربیت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ پس میں تمام گھروں کو یہ تلقین کرتا ہوں کہ وہ بڑی ہمت اور جدوجہد کے ساتھ نمازی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور ہمارے ماضی میں جو نیک مثالیں ستاروں کی طرح چمک رہی ہیں ان کی پیروی کریں۔

بہت سی مثالوں میں سے میں ایک مثال اپنے چھوٹے پھوپھا جان حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب کی دیتا ہوں۔ ان کو نماز سے، بلکہ نماز باجماعت سے ایسا عشق تھا کہ لوگ بعض دفعہ بیماری کے عذر کی وجہ سے مسجد نہ جانے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں، لیکن وہ بیماری کے باوجود مسجد جانے کے بہانے ڈھونڈا کرتے تھے۔ دل کے مریض تھے اور ڈاکٹر نے بشدّت منع کیا ہوا تھا کہ حرکت نہیں کرنی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ایک Wheel Chair میں بیٹھ کر (پہیوں والی وہ

کرسی جس پر بیٹھ کر مریض خود اپنے ہاتھوں سے اس کے پہیے گھماتا ہے) رتن باغ لاہور میں جہاں نمازیں ہوتی تھیں ، (اس وقت مسجد نہیں تھی اس لیے رتن باغ کے صحن میں نمازیں ہوا کرتی تھیں) باقاعدگی کے ساتھ وہاں پہنچا کرتے تھے ۔ جب مسجد گھر سے دور ہوگئی تو اپنے گھر کو مسجد بنا لیا اور اردگرد کے لوگوں کو دعوت دی کہ تم پانچوں وقت نماز کے لیے میرے گھر آیا کرو۔ اور مسجد کے جس قدر حقوق عائد ہوتے ہیں، ان سب کو ادا کرتے تھے۔ یعنی جب انہوں نے یہ اعلان کیا کہ میرا گھر مسجد ہے تو پانچوں نمازوں کے لیے آپ کے گھر کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ صبح کے وقت نمازی آتا تھا تو دروازے کھلے ہوتے تھے ۔ رات کو عشاء کی نماز کے لیے آتا تھا تب بھی دروازے کھلے ہوتے تھے اور دوپہر کو بھی دروازے کھلے رہتے تھے۔ پھر نمازیوں کے لیے وضو کا انتظام تھا اور دیگر سہولتیں بھی مہیا تھیں ۔ یہ سب کچھ آپ اس لئے کرتے تھے کہ آپ کو نماز باجماعت سے ایک عشق تھا اور یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کسی حالت میں بھی آپ کی کوئی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے رہ جائے چنانچہ آپ کی اولاد میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے نماز کی بڑی پابندی پائی جاتی ہے۔

یہ صرف ایک نمونہ ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے ۔ اسی قسم کے ہزار ہا نمونے قادیان میں رہنے والوں کی یادوں میں بس رہے ہونگے ۔ نماز کا اتنا شوق پایا جاتا تھا اور اس کی اتنی تربیت تھی کہ قادیان کے پاگل بھی نمازی رہتے تھے ایسے پاگل جو دنیا کی ہر ہوش گنوا دیتے تھے۔ وہ نماز پڑھنے کے لئے اکیلے مسجدوں میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ نماز پڑھنے کی عادت ان کی زندگی میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ وہ اس سے الگ ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ ایسے ہی ایک راجہ اسلم صاحب ہوا کرتے تھے۔ جب پاگل پن کی انتہاء ہوگئی تو بیچارے گھر سے باہر چلے گئے ۔ پاگل پن میں جو بھی اندرونہ ہو وہ باہر آجاتا ہے ۔ چونکہ ان پہ نیکی کا غلبہ تھا اس لئے (آخری اطلاع کے مطابق) تبلیغ کے جنون سے غالباً روس کی طرف چلے گئے تھے۔ پھر انہیں دوبارہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان پر کیا گزری۔ لیکن پاگل پن کے انتہا کے وقت بھی پانچوں نمازوں میں مسجد میں آیا کرتے تھے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب کو خدا تعالیٰ نے عبادت کے قیام کی جو توفیق بخشی تھی وہ اگلی نسل یعنی تابعین تک بھی بڑی شدت کے ساتھ جاری رہی ۔ اب ہم ایک ایسی جگہ پہنچے ہیں جہاں تابعین اور تبع تابعین کا جوڑ ہے اور اگر ہم نے اس وقت بشدت اپنی

نمازوں کی حفاظت نہ کی تو خطرہ ہے کہ آگے بے نمازی پیدا ہونے نہ شروع ہو جائیں۔ اس لئے ہمیں غیر معمولی جہاد کی روح کے ساتھ نماز کے قیام کی کوشش کرنی چاہیئے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ جہاد گھروں سے شروع ہوگا۔

اب جلسہ سالانہ کے ایام قریب آرہے ہیں اور ربوہ کے گھروں کو خدا تعالیٰ ایک غیر معمولی حیثیت عطا کرنے والا ہے وہ گھر جو نمازی گھر ہیں ان کا فیض دنیا کے کناروں تک پہنچ جائے گا۔ دور دور سے آنے والے جو لوگ ان کے ہاں ٹھہریں گے وہ ان سے نیک نمونہ پکڑیں گے اور ان آنے والوں میں سے اگر کوئی بے نمازی بھی ہوں گے تو یہ گھر ان کو نمازی بنا دیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ایک یہ خطرہ بھی ہے کہ اگر وہ گھر جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان ٹھہرتے ہیں، بے نمازی ہوں تو ہوسکتا ہے کہ یہ ان مہمانوں کی عادتیں بھی بگاڑ دیں اور ان کو بھی نمازوں سے غافل کر دیں۔ اس طرح ان گھروں کی حالتِ بے نمازی بھی زمین کے کناروں تک پہنچ سکتی ہے۔ یعنی ایک طرف وہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں حاصل کر سکتے ہیں تو دوسری طرف ان رحمتوں سے محرومی کی بھی کوئی حد نہیں رہتی۔

پس خصوصیت کے ساتھ اپنے گھروں کو اس طرح بھی سجائیں کہ وہ عبادت اور ذکر الٰہی سے معمور ہو جائیں۔ جب مہمان آتے ہیں تو ان کے لئے گھروں کو سجایا جاتا اور انہیں زینت بخشی جاتی ہے۔ میں نے ایک خطبہ جمعہ میں اس طرف توجہ دلائی تھی کہ ربوہ کو ایک غریب دلہن کی طرح سجانا چاہیے لیکن مومن کی اصل سجاوٹ تو تقویٰ کی سجاوٹ ہے، نماز کی سجاوٹ ہے۔ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف:۳۲) میں یہی اشارہ کیا گیا ہے کہ اصل زینت تو وہ ہے جو نمازوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ نمازیں سنوارو گے تو مسجدیں بھی زینت اختیار کر جائیں گی۔ لیکن اگر بغیر سنوارے کے نمازیں پڑھو گے تو تمہاری مسجدیں بھی ویران ہو جائیں گی۔ پس اپنے گھروں کو زینت بخشو مہمانوں کے استقبال کی تیاری کرو۔ اللہ کے ذکر کو گھروں میں بھی کثرت سے بلند کرو اور بار بار بچوں کو بھی اس کی تلقین کرو تا کہ ہر گھر خدا کے ذکر کا گہوارہ بن جائے اور ہر مہمان جو آپ کے ہاں ٹھہرے، وہ اگر کمزور بھی ہے تو آپ کی مثال سے طاقت پکڑے اور ذکر الٰہی کی طاقت لے کر یہاں سے واپس لوٹے۔

جہاں تک میرا نظری جائزہ ہے میں سمجھتا ہوں ربوہ کی پوری آبادی جمعہ میں بھی حاضر نہیں ہوتی۔ ربوہ کی آبادی ہمیں معلوم ہے اور جتنے فیصد لوگوں کو مسجد میں پہنچنا چاہئے اتنے یہاں نظر نہیں آتے۔ چونکہ ہمارا موازنہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا، دوسری سوسائٹیوں سے نہیں ہے بلکہ ہمارے معیار بہت بلند ہیں۔ ہماری ذمہ داریاں بہت وسیع، بہت اہم، بہت گہری اور بہت بھاری ہیں۔اس لئے ان کی ادائیگی کے لئے بھی ہمیں اسی قسم کی تیاریاں کرنی پڑیں گی اور نماز کے قیام کے بغیر ہم دنیا کی تربیت کرنے کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جمعہ کی نماز میں بھی حاضری کو بڑھانا چاہئے اور اس کے لئے بھی گھروں میں تلقین کرنی پڑے گی۔

صدران محلّہ جات اور زعماء انصار اللہ کا فرض ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ صرف مسجدوں میں نماز کی تلقین اور یاددہانی کا پروگرام بنائیں، اگر کوئی ایسے گھر ہیں جو مسجد میں نہیں آتے تو گھروں میں جائیں اور گھر والوں سے ملیں اور ان کی منت کریں اور ان کو سمجھائیں کہ تمہارے گھر بے نور اور ویران پڑے ہیں۔ کیونکہ جو گھر ذکر الٰہی سے خالی ہے وہ ایک ویرانہ ہے اور جس گھر میں بے نمازی پیدا ہو رہے ہیں وہ تو گویا آئندہ نسلوں کے لئے ایک نحوست کا پیغام بن گیا ہے اس لئے ہوش کرو اور اپنے آپ کو سنبھالو اور نمازوں کی طرف توجہ کرو اس سے تمہاری دنیا بھی سنورے گی اور تمہارا دین بھی سنورے گا کیونکہ عبادت میں ہی سب کچھ ہے۔ عبادت پر قائم رہو گے تو خدا کے حقوق ادا کرنے والے بھی بنو گے اور بندوں کے حقوق ادا کرنے والے بھی بنو گے۔

پس یہ نصیحت گھروں کے دروازوں تک پہنچانی پڑے گی اور بار بار وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا کا نقشہ پیش کرنا پڑے گا۔ یعنی جو بھی یہ عہد کرے کہ میں گھروں میں نماز کا پیغام پہنچاؤں گا اور گھر والوں کو تاکید کروں گا اور ان کو ہوش دلاؤں گا کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت کریں، اس کو یہ نیت بھی کرنی پڑے گی کہ میں پختہ عزم اور مستقل مزاجی کے ساتھ یہ کام کروں گا کیونکہ ایسا کہنا تو آسان ہے لیکن اس پر عمل بہت مشکل ہوگا۔ وجہ یہ کہ چند دنوں کے بعد انسان پر غفلت غالب آجاتی ہے اور وہ اس کام کو جو اس نے شروع کیا ہوتا ہے چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اس لئے اگر نتیجہ حاصل کرنا ہے تو وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا کے مضمون کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ جب تک خدا تعالیٰ کی اس واضح تلقین کو ہمیشہ مدنظر نہ رکھا جائے کہ نماز کی تلقین میں صبر اور دوام اختیار کرنا چاہئے اس وقت تک ہم اعلیٰ مقصد کو حاصل نہیں کر سکیں گے۔

پس خصوصیت کے ساتھ آج سے جلسہ سالانہ تک کے عرصہ کے دوران ہمیں بکثرت ایسے ناصحین کی اشد ضرورت ہے جو گھروں کے دروازے کھٹکھٹائیں اور گھر والوں کو ہوش دلائیں اور ان کو نماز کی تلقین کریں۔ اگر ربوہ کے سارے بالغ مرد جو باجماعت نماز پڑھنے کے اہل ہیں اور وہ سارے بچے جنہیں نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے، مسجدوں میں پہنچنا شروع ہو جائیں تو میرا اندازہ ہے کہ ہماری موجودہ مسجدیں چھوٹی ہو جائیں گی اور پھر ان مسجدوں کو بڑھانے کی طرف فوری توجہ پیدا ہوگی۔ اس طرح وَسِّعْ مَكَانَكَ کا بابرکت دَور نئے سرے سے شروع ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم نماز کے حقوق ادا کریں اور خدا کرے کہ نماز ہمارے حقوق ادا کرے اور وہ تمام فیوض جو بنی نوع انسان کے لئے نماز کے ساتھ وابستہ ہیں وہ دنیا میں سب سے زیادہ ہم ہی حاصل کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ایسا ہی ہو آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶ رفروری ۱۹۸۳ء)